

امام شافعیؒ اور ان کا تجدیدی کارنامہ

[۶، ۷ جنوری ۲۱۰۳ء کو ہندوستان میں فقہ شافعی پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور جامعہ حسینہ شری وردھن کے اشتراک سے منعقد ہونے والے دوروزہ قومی سیمینار میں پیش کیا گیا]

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے جس دین کو پسند کیا اور بندوں کو جس کا مکلف بنایا ہے، وہ ابدی حقائق پر مشتمل ہے۔ اس کے عقائد و مسلمات کو خلو و عطا کیا گیا ہے، مگر ساتھ ہی وہ بھی زندگی سے بھر اور حرکت و نشاط سے معمور ہے۔ ”یہ دین چونکہ آخری اور عالمگیر دین ہے اور یہ امت آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لیے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا..... اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پرانے تغیرات اور پرانے انقلابات ہے۔“ (۱) مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی کے بقول زمان و مکان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو انتظامات فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی تعلیم جامع و کامل اور زندہ ہے اور دوسرے اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ رجال کا رعا عطا ہوتے رہے ہیں جو اس کی تجدید کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ بھی ایسے ہی رجال اللہ اور مجددین اسلام میں سے ہیں جو اپنے تعلق باللہ، زبان دانی، اخلاص و اللہیت، قانونی فہم، علمی انتہاک اور خدمت دین میں ممتاز ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں ائمہ اربعہ کا ظہور ایک معجزہ تھا۔ ان میں امام ثالث حضرت امام شافعی کا امتیاز یہ ہے کہ وہ فقہ الامتہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دارالہجرت امام مالکؒ کے بعد آئے اور دونوں کے مدرسہ سہانے فکر اور مناجح فقہ کی خوبیوں کے جامع ہوئے۔ انہوں نے دونوں ہی مکاتب فکر سے خوشہ چینی کی۔ ان کے علاوہ انہوں نے تقریباً انیس شیوخ سے علم اخذ کیا جن میں فقیہ الشام امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن ابی سلمہ اور فقیہ مصر لیث بن سعد کے شاگرد یحییٰ بن حسان شامل ہیں۔ وہ امام لیث کی فتاہت سے بہت متاثر ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ: اللیث افقہ من مالک الا ان اصحابہ لم یقو مواہبہ: لیث مالک سے بڑے فقیہ ہیں مگر ان کے شاگردوں نے ان کو اٹھایا نہیں۔ (۲) شافعی کے شیوخ میں یحییٰ، کوئی، بصری اور کی، بغدادی استادوں کے نام بھی آتے ہیں۔ امام مالک کے سامنے تو ان کو بنفس نفیس

* ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی فاراسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی۔ ghitreef1@yahoo.com

زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف ملا۔ فقہ حجاز یا مدرسۃ الحدیث سے استفادہ کے بعد وہ عراق گئے جہاں مدرسۃ کوفہ یا مدرسۃ اہل الرائے (۳) کے قریب آئے اور انہوں نے فقہ حنفی کے محرر امام محمد بن الحسن سے کسب فیض کیا۔ یوں وہ حدیث و فقہ دونوں کے جامع بنے اور اپنی شاداب عقل، زرخیز دماغ، بحث و استدلال اور کلام و منطق کی زبردست اور خداداد صلاحیتوں کے باعث دونوں ہی سابق فقہوں سے اپنی الگ راہ نکالی اور تیسرے مذہب فقہ کے بانی و مؤسس ہوئے۔

سوانح زندگی: نام محمد، والد کا نام ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع تھا۔ نسبی تعلق قریش کے بنو عبدالمطلب سے تھا۔ عبدمناف میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مل جاتا ہے۔ فلسطین کے شہر غزہ میں سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ خدا کی شان ہے کہ اسی دن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی وفات ہوئی تھی۔ شافعی کے والد کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا، ان کی پرورش تمام تر والدہ نے کی۔ جب دو سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ ان کو لے کر ان کے گھر والوں کے پاس مکہ آگئیں۔ عسرت، یتیمی و تنگ دستی کے باوجود خاندانی وقار کی حفاظت اور اعلیٰ اخلاق پر تعلیم و تربیت ہوئی۔ امام شافعی کو غیر معمولی ذہانت، جفاکشی، دورانہدیشی کے ساتھ ہی غضب کا حافظ عطا ہوا تھا۔ شعر و ادب میں بھی طاق ہو گئے کہ مدتوں تک مکہ سے دور صحرا میں بنو ہذیل کے درمیان رہ کر عربی لغت، محاورے اور فصاحت و بلاغت سیکھی تھی۔ ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی حذاقت تامہ حاصل کر لی۔ بنو ہذیل کے ہاں سے واپس آ کر مکہ کے علماء کے پاس قرآن حفظ کیا اور حدیث و فتویٰ کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے استاد مسلم بن خالد زنجی نے ان کی قابلیت کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا: اے ابو عبد اللہ، اب تم فتویٰ دو، کیونکہ فتویٰ دینے کے اہل ہو چکے ہو۔“ (۴) مگر شافعی کو مزید علم کا شوق تھا چنانچہ انہوں نے امام مالک کے درس حدیث اور ان کی کتاب مؤطا کا شہرہ سنا تو مدینہ کی راہ لی۔ والی مکہ نے ان کے لیے ایک سفارشی خط امام مالک کی خدمت میں لکھ دیا۔ مگر مالک کی خدمت میں حاضری دینے سے پہلے ہی مکہ کے کسی عالم سے مؤطا لے کر پوری پڑھ لی بلکہ حفظ کر لی۔ اس کے بعد مدینہ حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کا حال یوں لکھا ہے: ”میں صبح سویرے امام مالک کی خدمت میں پہنچ گیا اور مؤطا زبانی پڑھنی شروع کر دی حالانکہ کتاب میرے ہاتھ میں تھی۔ امام صاحب سننے لگے۔ جب مجھے خیال آیا کہ امام مالک تھک گئے ہوں گے تو میں نے قرأت روکنی چاہی، مگر حضرت امام کو میری قرأت مؤطا اتنی پسند آئی تھی کہ انہوں نے فرمایا: اے نوجوان اور پڑھ، چنانچہ یوں میں نے چند دنوں میں پوری مؤطا ان کو سنائی اور ختم کر لی۔“ (۵) اس کے بعد شافعی فقہ و حدیث میں امام مالک سے مستفید ہونے لگے یہاں تک کہ اصحاب مالک میں شمار ہونے لگے اور ان کی وفات (۱۷۹ھ) تک ان کے سرچشمہ بعلم سے سیراب ہوتے رہے۔

پھر یمن کے گورنر شافعی کو اپنے ساتھ لے گئے اور علاقہ نجران کا قاضی مقرر کر دیا جہاں آپ پوری جرأت، عدل و انصاف اور خوفِ خدا کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے لگے، تاہم اس گورنر کے بعض عمال و مقربین کی زیادتیوں پر کھلی اور شدید تنقید نے اس کو آپ سے ناراض کر دیا۔ اس نے آپ سے یوں انتقام لیا کہ خلیفہ کی خدمت میں آپ کی شکایت لکھ بھیجی کہ یہاں کئی علوی لوگ ہیں اور ایک قریشی نوجوان ان کا حمایتی ہے۔ یہ لوگ خلافت پر خروج کا ارادہ رکھتے ہیں اور میرے قابو میں نہیں آ رہے۔ خلیفہ عباسی ہارون الرشید نے ان سب لوگوں کو اپنے دربار بغداد بلا بھیجا۔

امام شافعی علویوں سے محبت رکھتے تھے، مگر ان پر بغاوت کا الزام بالکل غلط تھا۔ بہر حال اپنی باری آنے پر انہوں نے اپنی طلاق لسانی اور زور بیان کے بل پر اپنے کيس کی وکالت کی اور خلیفہ کے قاضی امام محمد بن الحسن تلمیذ رشید ابوحنیفہ کی سفارش پر چھوڑ دیے گئے۔ یہیں سے وہ امام محمد کے رابطہ میں آئے اور انہوں نے امام محمد کے علم و تفقہ سے فیض اٹھایا، ان سے مذاکرے کیے اور عراقی مکتب فکر اور اس کے منج سے براہ راست واقفیت حاصل کی۔

یہاں سے فارغ ہو کر شافعی مکہ گئے جہاں انہوں نے حرم مکی میں نو سال تک درس دیا۔ امام احمد بن حنبل نے مکہ ہی میں ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور جب ۱۹۵ھ میں شافعی دوبارہ بغداد آئے تو امام احمد نے ان کا بڑا اکرام کیا۔ بغداد کے اس سفر میں انہوں نے فقہ مالک اور فقہ حنفی سے الگ اپنی فقہی رایوں کا اظہار شروع کیا اور بغداد کے علماء و فقہاء سے ان کے مذاکرے ہوئے۔ بغداد میں انہوں نے جو فتوے دیے، انہی کو فقہ شافعی میں قول قدیم کہا جاتا ہے۔

مصر بھی اس وقت اہل علم کا مرکز تھا جہاں امام مالک کے بہت سے تلامذہ استاد کی فقہ کو عام کر رہے تھے۔ مصر ہی میں امام لیث بن سعد تھے جن سے شافعی کی مرسلت ہوئی تھی۔ ۱۹۹ھ میں شافعی مصر گئے جہاں انہوں نے اپنا مذہب فقہی باقاعدہ قائم کیا۔ وہاں ان کو بہت سے تلامذہ میسر آئے۔ مصر میں انہوں نے اپنے بہت سے خیالات کی تصنیف کی اور بہت سی سابق رایوں سے رجوع کیا اور نئی رائے پر فتوے دیے جن کو قول جدید کہا جاتا ہے۔ ۲۰۲ھ میں مصر میں ہی شافعی کی وفات بھی ہوئی جس کے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں۔ (۶) ان کے تلامذہ یوہیسی، سلیمان بن الربیع وغیرہ نے مصر میں ان کے مسائل و فتاویٰ کو مدون کیا اور یہیں سے شافعی مسلک کی عالم اسلام کے مختلف خطوں میں اشاعت ہوئی۔

امام شافعی اور ان کی فقہ کا بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حدیث و فقہ کو جمع کیا ہے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ فقہ شافعی میں اصح مانی الباب (یعنی کسی مسئلہ کے سلسلے میں سب سے صحیح حدیث) سے اخذ و استفادہ کا رجحان ہے۔ شافعی کا بہت بڑا اور تجدیدی کارنامہ اور مجموعی طور پر اسلامی فقہ پر ان کا زبردست احسان ہے کہ انہوں نے فقہ اسلامی کے اصول مدون کیے، فروعی مسائل اور جزئیات کو منضبط کرنے والے جامع قواعد و کلیات کا استنباط کیا اور اپنی الرسالہ اور الام کے ذریعہ علم و فکر کی ایک نئی دنیا آباد کر دی۔ کتاب و سنت کے نصوص سے شرعی مسائل کا استنباط اپنی جگہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ تاہم اس مسائل کی اصول سازی اور نظریہ سازی اس سے بھی بڑا کام ہے اور یہ شافعی کی عبقریت ہے کہ انہوں نے دونوں کام کیے اور اس راہ میں طریق معتدل کی دریافت کی۔ مثال کے طور پر اپنے بہت سے معاصرین کی افراط و تفریط کے درمیان انہوں نے کہا کہ قرآن اصل شرع ہے (۷) شافعی کے لفظوں میں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ بھی اپنی رحمت کے طور پر اور بندوں پر رحمت کے لیے نازل فرمایا، اس کا عالم عالم ہے اور جو اس کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ اس کو نہ جاننے والے کو عالم نہیں کہہ سکتے اور اس کے جاننے والے کو جاہل نہیں کہہ سکتے۔ اور علم کے اندر لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ اور جتنا کوئی قرآن کا علم رکھتا ہے اتنا ہی اس کا رتبہ بڑا ہے اس لیے طالبان علم پر لازم ہے کہ وہ اس کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی بھرپور جہد و جہد کریں اور اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے اس کو برداشت کریں اور نص یا استنباط سے قرآن کے علم کے حصول میں نیت خالص اللہ کے لیے رکھیں۔“

یعنی قرآن شافعی کے نزدیک بیان کلی ہے اور سنت اس کی تمییز۔ (۸) صحابہ بھی اسی کے قائل تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: من جمع القرآن فقد حمل امراء عظیما و لقد ادرجت النبوة بين حنبليه ال انه لا يوحى اليه: جس کے پاس قرآن کا علم ہے تو وہ ایک امر عظیم کا حامل ہے، گویا کہ اس کے سینہ میں نبوت دے دی گئی ہے، اگرچہ اس کے پاس وحی نہیں آتی۔ (۹) ابن حزمؒ اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ: کل ابواب الفقه ليس منها باب الا وله اصل فى الكتاب، و السنة نعلنه۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو، سنت اس کی تفصیل سے وضاحت کرتی ہے۔ اس کے بعد شافعی نے بیان قرآن کی دو قسمیں کی ہیں:

۱۔ وہ آیات جو خود اپنی شرح ہیں اور جن کو مزید تفسیر کی ضرورت نہیں، مثلاً صوم اور لعان کا بیان۔

۲۔ قرآن کی دوسری قسم وہ ہے جس کو انہوں نے القسم الذى من القرآن لا يكون نص فى الموضوع بل البيان فيه يحتاج الى السنة کہا ہے یعنی وہ قسم جو موضوع پر خود دلالت نہ کرے بلکہ اس کے بیان کے لیے سنت کی ضرورت پڑے۔ (۱۰)

اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ قرآن کے فرائض و واجبات کے بارے میں صحیح نقطہ اعتدال کیا ہے؟ شافعی نے قرآن کے متعدد نصوص میں غور و فکر کر کے فرض کو دو وجہوں پر تقسیم کیا ہے: فرض عین اور فرض کفایہ۔ وہ فرض کفایہ کو المطلوب علی وجہ الكفاية يراد به العام ويدخله الخصوص (ایسا عام فرض جو کچھ لوگوں سے مطلوب ہو) سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱۱) امام شاطبی نے اس کی بے حد معنی خیز تفصیل کی ہے اور اس کو فرض عین پر ایک گونہ نو فقیہت دی ہے۔ ابوزہرہ کی کتاب میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ چونکہ امام شافعی نے خود اصول و قواعد کا استخراج کیا اور ان کی تدوین کی، اس لیے بقول ابوزہرہ ان کے تلامذہ اور بعد کے لوگوں کو مذہب شافعی پر ترجیح (کسی اصل سے مزید مسئلہ نکالنا) کے لیے اصول ثابتہ مقررہ میسر آ گئے، جبکہ یہ چیز دوسرے مذاہب فقہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ شافعی کے علاوہ کسی اور امام سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے شافعی کی طرح قواعد بیان فرمائے ہوں۔ (۱۲)

امام شافعی کا دوسرا کارنامہ حجیت حدیث کا اثبات ہے۔ موجودہ زمانہ میں انکار حدیث کا جو فتنہ پیدا ہوا ہے، عموماً اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا ظاہرہ Phenamenon ہے، مگر امام صاحب کی دونوں کتابوں الرسالہ اور الام کے ایک سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ فتنہ نہایت قدیم ہے۔ شافعی کے زمانہ میں تین طرح کے منکرین حدیث موجود تھے جن سے ان کی گفتگو میں بھی ہوئیں اور جن کی آرا کو اپنی تحریروں میں نقل کر کے انہوں نے ان پر تفصیل سے محاکمہ بھی فرمایا ہے۔ الام کی کتاب جماع العلم میں شافعی نے تفصیل سے منکرین سنت کے بارے میں بیان کیا ہے۔ (الرسالہ میں حجیت حدیث کا اثبات ہے اور الام میں منکرین سے مناظرہ اور ان کے استدلال کا تفصیلی رد ہے۔) شافعی کے مطابق حدیث کا انکار کرنے والے فی الجملہ تین طرح کے لوگ ہیں:

پہلے تو وہ لوگ ہیں جو بالکل ہی سنت کا انکار کرتے ہیں۔ الرسالہ میں امام صاحب نے ان لوگوں کا پورا استدلال نقل کر کے ان کو جواب دیا ہے۔ ان کے الفاظ میں ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ: وجملة قبولهم

و احتجاجهم له ان الكتاب فيه تبيان لكل شيعي، وان الكتاب عربي، لا يحتاج الى بيان غير معرفة اللسان العربي والاسلوب العربي الذي جاء القرآن به، وليس وراء بيانه بيان (۱۳) ای السنه لا يمكن ان تاتي بشرع زائد على ما في الكتاب الله (ابو هريرة) مطلب یہ ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے اور عربی کلام کو سمجھنے کے لیے عربی اور زبان اور عربی اسلوب کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت کیوں پڑنے لگی۔ اسی سنت قرآن کے کسی حکم پر اضافہ بھی نہیں کر سکتی۔ ان کے استدلال کا جواب امام شافعی نے بہت تفصیل سے دیا ہے جس کی تلخیص ابو ہریرہ نے کر دی ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو صرف انہیں حدیثوں کو لیتے ہیں جن کے مطابق قرآن میں کوئی حکم پایا جاتا ہے۔ یہ خبر واحد کو قبول نہیں کرتے۔ (ماکان فیہ قرآن یقبل فیہ الخبر) اور تیسرے نمبر پر وہ لوگ ہیں جو بس انہی احادیث کو ماننے میں جو متواتر و مستفیض ہیں اور خبر واحد کی حجیت کے قائل نہیں ہے۔ (و ثالث المذاهب المخالفة للجماعة مذهب الذين ينكرون حجية خبر الآحاد جملة ولا يعتبرون الا الاخبار المتواترة المستفیضه (۱۴) پہلا گروہ تو امت سے بالکل ہی خارج ہے (وقائل ذلك ليس من الاسلام في شيء) (۱۵) اور دوسرے گروپ کے بارے میں تفصیل ہے کہ ان کے قول کے دو مطلب نکلتے ہیں: ایک لحاظ سے یہ بھی پہلے ہی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا انہیں میں سے شمار ہوں گے اور اگر ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں تعارض نہیں ہو سکتا تو یہ بات درست ہے اور اس لحاظ سے اگر یہ خبر واحد میں شک کرتے ہیں تو ان کو خارج عن الامت (امت سے باہر) نہیں سمجھا جائے گا۔

پہلے گروپ کو امام صاحب زنادقہ، خوارج اور بعض معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جنہوں نے اپنی تائید میں ایک حدیث بھی گڑھ لی تھی کہ: جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اس کے موافق ہو تو سمجھو کہ وہ میرا ہی قول ہے اور اس کے خلاف ہو تو سمجھو کہ وہ میرا قول نہیں ہے کہ قرآن مجھ ہی پر اترا ہے، اسی سے اللہ نے مجھے ہدایت دی تو میرا قول اس کے خلاف کیسے ہوگا۔ (ما اتاكم مني فاعرضوه على كتاب الله، فان وافق كتاب الله فانا قلته وان خالف كتاب الله فلم اقله، وكيف اخالف كتاب الله وبه هداني الله)۔ اس حدیث کے سلسلہ میں عبدالرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ اس کو زنادقہ اور خوارج نے گھڑا ہے۔ (۱۶) آج کے منکرین حدیث بھی کم و بیش انہی خیالات کی جگالی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے استدلال بھی تقریباً یہی رنگ لیے ہوتے ہیں۔ امام شافعی ایک ایسے عہد میں پیدا ہوئے تھے جب روایات کی کثرت تھی، وضعین حدیث اور منکرین سنت کی مذموم کوششوں سے اہل علم کے لیے سنت کے حوالہ سے ایک بڑا علمی چیلنج پیدا کر دیا تھا۔ وضعی حدیثوں کا ایک سیلاب تھا، ایسے میں شافعی جیسے عبقری نے وقت کے اس چیلنج کا جواب دیا۔ آپ نے واضح کیا کہ سنت صحیحہ ثابتہ قرآن سے باہر نہیں ہے، وہ قرآن ہی مستنبط ہے۔ اس کی اصل قرآن میں موجود ہے اور سنت اس کی مستند ترین شرح و تفسیر ہے۔ اسی کتاب میں آپ نے ثابت کیا کہ قرآن میں کئی جگہ الکتاب والحکمہ ساتھ ساتھ آیا ہے۔ (مثلاً البقرہ: ۱۲۹) جس میں کتاب سے

مراد قرآن اور حکمت سے مراد اس کی نبوی تفسیر (حدیث) ہے (الکتاب هو القرآن والحكمة هي السنة النبوية (۱۷) ظاہر ہے کہ حکمت منزل من اللہ وحی اور اسوۂ نبوی کا عمل کی دنیا میں کامل ترین اظہار ہے، یہ وہ دانش نوری ہے جس کو ماینطق عن الہوی ان هو الاوحی یوحی (النجم: ۴۳) کی تائید ربانی حاصل ہے۔ الرسالہ میں انہوں نے تینوں فریقوں کے جواب دیے ہیں اور اسی وجہ سے مکہ، بغداد اور مصر وغیرہ میں شافعی کو ناصر السنۃ اور حافظ حدیث کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ شافعی بغیر کسی تعصب کے حق کی حمایت کرتے تھے۔

امام شافعی سے پہلے اہل الرائے، اصحاب الحدیث پر اپنے منطقی طرز استدلال کے ذریعہ غالب آ جایا کرتے جبکہ اصحاب الحدیث ذخیرہ آثار و روایات میں ان کو دبا لیتے تھے۔ جب شافعی آئے تو وہ ان دونوں ہی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ چنانچہ ان سے دونوں مدرسہ سہانے فکرمے جس آدمی نے بھی بحث مباحثہ کیا، کوئی بھی شافعی کے سامنے نہ ٹک سکا۔ حق کے سلسلے میں بلا خوف و لومۃ لائم امام شافعی نے اپنی آرا کا اظہار کیا۔ چنانچہ امام مالک سے محبت کے باوجود انہوں نے ”خلاف مالک“ لکھی جس میں اپنے استاذ کی بہت سی رایوں پر تنقید تھی۔ اسی طرح اپنے دوسرے استاذ امام محمد سے بھی مناقشہ کیا اور بصرہ کے علماء سے مناظرہ کیا اور سب میں غالب رہے۔ مگر براہِ مسلکی تعصب کا کہ جب امام صاحب مصر گئے تو وہاں کے مالکیوں نے ”خلاف مالک“ لکھنے کی وجہ سے والی مصر سے ان کی شکایت کی اور ان کو مصر سے نکلوانے کی کوشش کی!! حالانکہ ان کا اختلاف صرف مالک سے ہی نہ تھا بلکہ حنفیہ اور دوسرے ائمہ فقہ سے بھی تھا۔ مثال کے طور پر امام شافعی خبر واحد کو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کے عام کی تخصیص خبر واحد سے جائز قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں حنفیہ کا ان سے اختلاف ہے کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ قرآن قطعی الثبوت ہے اور خبر واحد ظنی الثبوت، اس لیے ظنی سے قطعی کی تخصیص نہیں ہو سکتی (۱۸) سوائے اس صورت کے کہ اس عام کی پہلے ہی کسی اور سے تخصیص ہو چکی ہو۔

واضح رہے کہ ابوزہرہ کی تحقیق میں شافعی خود عقیدہ کے اثبات میں خبر واحد کو کافی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے خبر واحد کی حجیت تو ثابت کی ہے تاہم وہ خبر واحد کو، جیسا کہ ابوزہرہ لکھتے ہیں، قرآن کے یا خبر متواتر و مستفیض کے درجہ میں نہیں رکھتے اور ابوزہرہ کے لفظوں میں: بهذا تراہ یضع الامور فی مواضعها فهو یجعل الآحاد حجة فی العمل دون الاعتقاد، فیقرر ان الشک فیہ لاعتقاد علیہ (۱۹) اس کے بعد امام صاحب نے خبر الواحد (روایات الخاصۃ) کے قبول کے دقیق شرائط بیان کیے ہیں اور یہ سب شرطیں وہی ہیں جن کو ماہرین مصطلح الحدیث نے قبول کیا اور ان سے اتفاق کیا ہے۔ خبر واحد کے علاوہ امام شافعی نے مرسل کو بھی بعض کڑی شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے، مثلاً یہ کہ مرسل کبار تابعین کی ہو، اس مرسل کی کسی اور متصل روایت سے تائید ہوتی ہو یا قول صحابی اس کے مطابق ہو وغیرہ۔

اسوہ متواترہ مکشوفہ و مروجہ کا سب سے بڑا اظہار امام مالک کے نزدیک عمل اہل مدینہ ہے، لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ اور خصوصاً حضرت عمر بن الخطابؓ کے بعد اجلہ صحابہ کی بڑی تعداد جہاد، نشر علم اور دعوتی مقاصد کے تحت مختلف بلا و امصاد میں پھیل گئی تھی اور مدینہ کا علمی اختصاص بڑی حد تک ختم ہو گیا تھا اور اس حقیقت کو خود امام مالک بھی تسلیم کرتے تھے۔ جہی تو انہوں نے خلیفہ منصور کو اس بات سے روک دیا تھا کہ موٹا کو پورے عالم اسلام کا دستور العمل

بنادیا جائے۔ انہوں نے خلیفہ کو خود یہی دلیل دی تھی کہ صحابہؓ کے علم کے حامل مختلف بلاد میں پھیل گئے ہیں اور وہاں لوگ ان کے فتوؤں پر عمل کر رہے ہیں، اگر ان کو ایک ہی مدرسہ فکر کا تابع بنادیا جائے گا تو بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ اسی دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے امام شافعی نے جو استدلال کیا اس کا مفاد یہ ہے کہ سنت قولی جو متعدد اہل علم صحابہ جیسے ابو ہریرہؓ، عائشہؓ اور ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے، اس کو عمل اہل مدینہ پر ترجیح ہوگی۔ الرسالہ میں شافعی نے اصولی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ قولی حدیثوں سے مروجہ سنت (مدینہ میں) کی تصحیح و تنقید کا کام لیا جائے گا۔ الرسالہ جو اصول حدیث، فقہ اور اسلام کی مذہبی تاریخ پر اولین تصنیف ہے، اس نے آنے والے دنوں میں فکر اسلامی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ بڑی شدت سے تقلید کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں حالانکہ جس تقلید جامد کی مخالفت کا ان کو دعویٰ ہے، اس کا رستہ تو خود ائمہ متبوعین نے خود ہی بند کر دیا ہے۔ چنانچہ ہر امام تقلید جامد کے بالکل خلاف تھا اور سبھی حریت فکر کے قائل تھے۔ امام شافعی کا بھی اس کلیہ سے کوئی استثناء نہیں۔ جس طرح انہوں نے دلائل کے ساتھ اپنے اساتذہ اور معاصرین سے اختلاف فرمایا، اپنے شاگردوں کو بھی اسی کی تربیت دی کہ وہ ان کی جامد تقلید نہ کریں، چنانچہ شافعی نے فرمایا: اذا صحح الحديث فهو مذهبي واضربوا بقولی عرض الحائط (جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور اس کے ہوتے ہوئے میرے قول کو دیوار پر مار دینا)۔ تمام ائمہ سے اسی طرح کے اقوال منقول ہیں اور امام ابو حنیفہ کے اسکول کا تو یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے اپنے تلامذہ کو زبردست حریت فکری عطا کی تھی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے امام ابو حنیفہ کی دو تہائی آرا سے اختلاف کیا ہے۔ (۲۰) یہی آزادی رائے امام شافعی کے ہاں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں یہ ہے کہ اگر شافعی کے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جاتی ہے اور ان کے قول کو چھوڑ کر حدیث کو اختیار کر لیا جاتا ہے تو یہ مذہب سے خروج شمار نہیں ہوتا۔ بس شرط یہ ہے کہ جو لوگ مذہب امام سے باہر جائیں، وہ رتبہ اجتہاد کو پہنچ گئے ہوں۔ (۲۱) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب شافعی میں تخریجات کرنے والے علماء دو طرح کے تھے۔ وہ مخرج جو اصول شافعی سے باہر نہیں نکلتے جیسے شیخ ابو حامد اور قتال۔ دوسرے وہ مخرج جو مذہب شافعی سے اصول و فروع دونوں میں باہر چلے جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ خود اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز ہیں۔ مثال کے طور محمد بن (محمد نام کے علماء) جن سے مراد ہیں: محمد بن نصر، محمد بن جریر طبری، محمد بن خزیمہ اور محمد بن المنذر، لیکن چونکہ انہوں نے کسی الگ فقہی مکتب فکر کی بنیاد نہیں ڈالی اور شافعی ہی رہے، اس لیے ان کو بھی شافعی مذہب کے اندر ہی شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ بعض کی رائے میں ان کے تفردات کو شافعی مسلک سے باہر سمجھا جائے گا۔ (۲۲)

اسی طرح اسلامی فکر میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کے اصول اربعہ کو بھی امام شافعی نے الرسالہ میں مضبوط استدلالی بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ تاہم ان کی تحریروں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اجماع سے مراد ان کی صحابہ کا اجماع ہے اور اس کے بعد کا اجماع ان کے نزدیک ثابت نہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر صحابہ کسی امر پر متفق ہوں تو وہ تمام فقہاء کے نزدیک اجماع ہے اور اس پر عمل واجب۔ اس میں فقہاء اور اہل الحدیث کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے

بعد اگر اہل مدینہ کا کسی امر پر اجماع ہے تو اس کو امام مالک ایک دلیل شرعی مانتے ہیں اور اس کی مخالف صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ کے خلاف ہونا حدیث میں قادیح ہے۔ امام شافعی کے زمانہ میں صورت حال یہ تھی کہ ہر فریق اپنی رائے پر اجماع کا دعویٰ کر رہا تھا۔ ایسے میں شافعی نے اصولی طور پر اجماع کو شرعی حجت تسلیم کیا۔ کتاب و سنت میں اس کی بنیاد دریافت کی، اس کے مبادی منضبط کیے۔ تاہم عملی سطح پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہر مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کرنا غلط ہے، کیونکہ ہمارے پاس اجماع کے عملاً وقوع کی کوئی دلیل نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اجماع کا مرتبہ کتاب و سنت کے بعد ہوگا اور وہ ان کے تابع ہوگا۔ اس معاملہ میں فریق مخالف کی انہوں نے شدت سے مخالفت کرتے ہوئے یہاں تک کہ دیا کہ: دعویٰ الاجماع خلاف الاجماع (اجماع کا دعویٰ کرنا خود اجماع کے خلاف ہے) اور آگے اس کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اجماع کے عیب کے لیے تو یہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کی زبانوں پر تمہارے اس زمانہ کے علاوہ کبھی اس کا نام نہیں آیا۔ (۲۳) یوں شافعی بعض اجماع کے قائل ہیں، من کل الوجوه اس کا انکار نہیں کرتے۔

اجماع کے علاوہ رائے، قیاس (یا اجتہاد) کو انہوں نے منضبط کیا ہے مگر استحسان پر تنقید کی ہے جس کا اعتبار مالکیہ و حنفیہ دونوں کے ہاں ہوتا ہے۔ کتاب الام میں اس کے رد میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ قیاس یا رائے (اجتہاد) ایک اصولی فریم ورک کے اندر operate کرتا ہے، اس لیے وہ درست ہے، جبکہ استحسان کو کسی کلیہ کے تحت لانا دشوار ہوتا ہے، اس لیے استحسان کو دلیل شرعی نہیں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس بارے میں انہوں نے اپنے استاد امام محمد سے اختلاف کیا ہے جس طرح عمل اہل مدینہ کے سلسلہ میں انہوں نے اپنے دوسرے استاد شیخ مالک سے بھی اختلاف کیا تھا۔ تاہم قیاس کو شافعی اجماع کی نگرانی میں دینے کے حامی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ نئی تعبیری اور فکری کوششوں کو فکراً اسلامی کے محور کے گرد رکھا جائے۔

واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مذاہب اربعہ بنیادی طور پر مذاہب یعنی فقہ شافعی اور حنفی کے اندر ضم ہو جاتے ہیں اور انہوں نے التفہیمات الالہیہ میں کہا ہے کہ میرا طریقہ جہاں تک ممکن ہے ان دونوں مذاہب کے درمیان جمع و تطبیق کرنا ہے۔ فرماتے ہیں: ونحن نأخذ من الفروع ما اتفق عليه العلماء ولا سيما هاتان الفرقتان العظيمتان الحنفية والشافعية وخصوصاً في الطهارة والصلاة فإن لم يتيسر الاتفاق واختلفوا فناخذ بما يشهد له ظاهر الحديث ومعروفه ونحن لانزدرى احداً من العلماء فالكل طالب الحق ولا نعقد العصمة في احد غير النبي صلى الله عليه وسلم (۲۴)

”فروع میں ہم علماء کے متفق علیہ مسئلہ کو لیتے ہیں خاص کر حنفی و شافعی مسلک کے اتفاق کو کہ یہ عظیم فرقے ہیں اور وہ بھی طہارت و نماز کے سلسلہ میں خصوصاً۔ اگر اتفاق نہ حاصل ہو اور علماء مختلف ہوں تو پھر جس مسئلہ کی تائید ظاہر حدیث سے ہوتی ہے، ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔ ہم علماء میں سے کسی کی بھی اہانت نہیں کرتے کہ سبھی حق کے طالب ہیں، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لیے عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔“

امام شافعی پر نئے نئے مطالعات جاری ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر طہ جابر علوانی نے اس کا اظہار کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ”نص شرعی“ صرف اور صرف قرآن کو کہا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی اور چیز اس کی شریک نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے الام کے بہت سے اقتباسات اور فقرے نقل کر کے اس تحقیق کو پیش کیا ہے۔ البتہ یہ وضاحت کر دی ہے کہ صحیح اور ثابت سنت بہر حال اس کی شرح و تفسیر ہے۔ (۲۵)

امام شافعی کا ظہور عصر عباسی کے دوسرے مرحلہ میں ہوا جب مختلف اسلامی علوم و فنون کی تدوین زور و شور سے ہو رہی تھی۔ علم کلام اور متکلمین میدان میں تھے۔ یونانی، سنسکرت، فارسی اور دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی تحریک برگ و بار لار رہی تھی۔ مسلمانوں میں بھی طرح طرح کے فقہی، کلامی اور شیعہ فرقے وجود پذیر تھے۔ فقہ حنفی و مالکی کی نشوونما ہو رہی تھی۔ اس عہد میں انہوں نے آنکھ کھولی اور اپنے عہد کے ان سبھی حالات، وقائع اور چیلنجوں سے واقفیت حاصل کی۔ امام صاحب قوی الحجّت، زبان آور، فصیح و بلیغ، اور استدلالی انداز و منطقی اسلوب تکلم کے مالک تھے۔ چنانچہ اپنی کتابوں اور رسالہ اور الام وغیرہ میں انہوں نے جو مقدمات قائم کیے، اور جس انداز میں فقہ، فقہ حدیث اور اصول فقہ کے سلسلہ میں اپنے استدلال کی بنیاد رکھی اور جو نتائج نکالے، ان سے ایک زمانے نے اتفاق کیا۔ امام مالک نے مؤطا کے ذریعہ حدیث، اقوال صحابہ اور علماء مدینہ کی رايوں (عمل اہل مدینہ) اور اپنے فتاویٰ کو جمع کر دیا تھا۔ شافعی مؤطا سے بہت متاثر تھے اور سب سے پہلے اس کو انہوں نے ہی اصح کتاب بعد کتاب اللہ کا معزز نام دیا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں اجتماعی اجتہاد، بحث و مناقشہ کے بعد مسائل کے استنباط و استخراج کی عظیم نظیر قائم کر چکے تھے۔ ان دونوں اماموں کے بعد ان کے علمی فکری اور فقہی سرمایہ سے کام لے کر امام شافعی نے اصول فقہ کی تدوین کی اور اہل شریعہ سے اخذ و استنباط کا ایک واضح منہاج قائم کر دیا جس کے لیے قیامت تک امت ان کے زیر بار احسان رہے گی۔

مراجع و حواشی

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اول، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، 1992ء، صفحہ 18

(۲) الامام محمد ابوہرہ، الشافعی حیاتیہ و عصرہ فقہہ و آراء طبع ثانی دارالفکر العربی 1978ء، ص 47

(۳) اہل الرائے اور اہل الحدیث محض تغلیباً ہے۔ رائے سے مراد ہے کہ قرآن و حدیث میں اگر کسی مسئلہ میں صریح حکم نہیں مل رہا ہے تو اجتہاد کیا جائے، جیسا کہ فقہاء عراق کرتے تھے، مگر ایسی صورت حال میں فقہاء حجاز اجتہاد کا رجحان کم رکھتے تھے۔ تاہم ایسا نہیں ہے کہ مدرسہ اہل الرائے یعنی مدرسہ کوفہ حدیث کو چھوڑ کر رائے پر عمل کرتا تھا اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ مدرسہ اہل الحدیث (مدینہ) میں رائے اور فقہ سے کام ہی نہیں لیا جاتا تھا۔ فرق صرف کم و بیش کا ہے اور ان دونوں ہی رجحانوں کی دلیل اسوہ نبوی میں ملتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل الرائے اور اہل الحدیث کا استعمال تغلیباً ہوتا ہے اور مختلف مناجح فکر کو بتانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہاں اہل الحدیث سے مراد ہمارے زمانہ کا فرقہ اہل حدیث تو ہرگز مراد نہیں ہے، جس پر ظاہر بیت کی چھاپ اور آج کل ائمہ فقہ اور خاص کر فقہ حنفی سے عداوت کا غلبہ ہے۔

(۴) الامام محمد ابوہرہ، الشافعی حیاتیہ و عصرہ فقہہ و آراء طبع ثانی دارالفکر العربی 1978ء اور اجتہاد ندوی، تاریخ فکر اسلامی،

(۵) حوالہ سابق، اور اجتباء ندوی، تاریخ فکر اسلامی، المركز العلمی نئی دہلی (1998)

(۶) (۶) مشہور قول کے مطابق بو اسیر کے مرض سے پھر 54 سال امام شافعی کی وفات ہوئی اور معجم یا قوت کی روایت کے مطابق کسی فتیان نامی متعصب مالکی سے ان کا مناظرہ ہوا جس میں شافعی نے اس کو لا جواب کر دیا۔ اس نے امام صاحب سے بدسلوکی کی، جس کی شکایت کسی نے والی سمر سے کر دی، جس پر اس نے فتیان کو سزا دلوائی۔ جذبہ انتقام میں اس کے ساتھی امام صاحب کے حلقہ میں پہنچ گئے اور جب آپ کے سب تلامذہ اور اصحاب چلے گئے تو آپ پر حملہ کر دیا۔ ان کے زد و کوب کرنے سے آپ زخمی ہو گئے جن کی تاب نہ لا کر چند دن بعد انتقال فرما گئے۔ الامام محمد ابو زہرہ، الشافعی (32)

(۷) ایضاً (211)

(۸) ایضاً (211)

(۹) ایضاً، (210)

(۱۰) ایضاً (214)

۱۱- 202

12- 379

13- 218

14- 220

15- 219

16- (دیکھیں ابو زہرہ: الامام الشافعی، صفحہ 219)

17- (222)

18- (208)

19- (232)

20- امام محمد امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور فقہ حنفی کے اساطین میں سے ہیں مگر اپنے استاذ سے نہ صرف فروع میں بلکہ اصول میں بھی سینکڑوں مسائل میں اختلاف کیا۔ سبکی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: فانہم ایذا لفان اصول صاحبہما، طبقات الشافعیہ 1/243 امام الحرمین الجویٹی کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مسلک حنفی کے 2/3 حصہ میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا اور امام شافعی کا قول اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صلاح الدین مقبول احمد، ذوابع فی وجہ السنۃ قدیمہ و جدیدہ، مجمع البحوث الاسلامیہ، الطبعة الاولى 1411ھ 1991 جوگا بائی 1/8 نئی دہلی ۵۲۰۰۱۱ صفحہ ۳۳۲

21- (دیکھیں ابو زہرہ: الامام الشافعی، 383)

22- صفحہ 382

23- (87)

24- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، (تفہیمات ۲/۴۲ اکادمیہ الشاہ ولی اللہ دہلوی پاکستان).

25- ملاحظہ ہو کتاب: مفاتیح مجرید فی المنج والمنجیہ دوسرا باب مفہوم النص دار السلام، القاہرہ، الطبعة الاولى، 2009)